سوال

(484) امام کے ساتھ قراءت نہ کرنے والی روایت کا حکم؟

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ذیل میں چند صحیح احادیث کا ترجمہ، عدم فاتحہ خلف الامام کی تائید میں ارسال کر رہا ہوں، امید ہے کہ وضاحت کر کے تشفی فرمائیں گے۔

۱۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ترجمۂ حدیث: جب کوئی شخص امام کے پیچھے ہو تو اس کے لیے کوئی قرأت نہیں، چاہے فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ۔ صحیح مسلم، باب سُجود التِلاوۃ، رقم: ۵۷۷

۲۔ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے جواز میں جابر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ: آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے ایک رکعت بھی پڑھی اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ (موطا امام مالک، ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے) سنن الترمذی، باب ما جاء فِی ترک القراء ۃ خلف الاِمام اِذا جہر الاِمام بِالقراء ۃِ، رقم: ۳۱۲

۳۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ بیان کرتے ہیں: آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز سکھا رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ جب امام ''سَمِعَ اللہ'' کہے تو تم ''رَبَّنَا لکَ الحمد'' کہو، وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ۔ اس طرح سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جب امام قرأت کر رہا ہو تو تم 'فَاَنصِتُوا' چپ رہو۔ صحیح مسلم، باب التَّشہُّدِ فِی الصَّلَاۃِ، رقم: ۴۰۴

۴۔ نبی ﷺ ایک جہری نماز پڑھا رہے تھے، آپ کو الجھن پیش آئی، نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ کون میرے پیچھے قرأت کر رہا تھا؟ صحابہ نے کہا کہ ہم لوگ قرأت کر رہے تھے اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: 'لَا تَفعَلُوا اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الکِتَاب' "سنن اَبِی داوٗد، باب مَن ترکَ القِراء ۃَ فِی صَلَاتِہِ بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ، رقم: ۸۲۳" 'جہری قرأت میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو۔''

اس روایت پر اعتراض:

اس روایت میں محمد بن اسحاق کا تفرد ہے اور اس کو دجّال اور کذّاب کہا گیا ہے اس کے علاوہ اس بات کو کوئی اور بیان نہیں کرتا۔ اس پر دوسرا الزام یہ ہے کہ یہ مُدلّس ہے اور مُدلّس کی ''عَن'' سے روایت ناقابلِ قبول ہے اور اس میں محمد بن اسحاق ''عَن'' سے روایت کرتا ہے۔

۵۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دریافت کیا 'کوئی ابھی میرے ساتھ قرأت کر رہا تھا؟'' تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسی لیے قرآن کے سلسلے میں مجھ سے تنازعہ ہو رہا تھا۔'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے ساتھ قرأت کرنے سے رُک گئے۔'' سنن اَبِی داوٗد، باب مَن کرِہَ القِراء ۃ بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ اِذا جہرَ الاِمامُ، رقم: ۸۲۶

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہم جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے وقفات میں سورت پڑھتے ہیں، لیکن اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین اور دوسری آیت کے بعد نبی ﷺ سے

اتنے بڑے وقفات ثابت نہیں ہیں جن میں سورۃ فاتحہ کی آیات امام کے پیچھے اس خاموشی کی حالت میں پڑھ سکیں۔ اس طرح اگر کوئی سورت فاتحہ پڑھے گا تو غَیرِ المَغضُوبِ عَلیھِم وَلاَ الضَّآلِّین کے بعد جب امام 'آمین' کہے گا تو مقتدی کو ابھی آیت پڑھنا باقی ہوگی۔ اس لیے وہ کبھی امام کے ساتھ آمین نہ کہہ سکے گا اور اس طرح وہ ثواب سے محروم رہے گا، جس کے متعلق یہ آیا ہے کہ جو شخص امام کی 'آمین' اور اس پر فرشتوں کی 'آمین' کہنے پر ان کی مطابقت میں 'آمین' کہے گا اس کے اگلے (پرانے) گناہ معاف ہوجائیں گے۔ صحیح البخاری باب جَھرِ المَأمُومِ بِالتَّأمِینِ، رقم: ۷۸۲، صحیح مسلم، رقم: ۴۱۰

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول بایں الفاظ مروی ہے:

'عَن عَطَاءِ بنِ یَسَارٍ، أَنَّهُ أَخبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ زَیدَ بنَ ثَابِتٍ عَنِ القِرَاءَةِ مَعَ الاِمَامِ، فَقَالَ: لَا قِرَاءَةَ مَعَ الاِمَامِ فِی شَیئٍ' صحیح مسلم، باب سُجود التلاوۃ، رقم: ۵۷۷

''عطاء بن یسار نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے جواباً فرمایا: امام کے ساتھ کوئی قرأت نہیں۔''

عبارت ہذا کے ترجمہ سے ظاہر ہے، کہ سائل نے انتساب میں جو لفظ۔ فاتحہ کا اضافہ کیا ہے، وہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ نے اس اثر کے دو جوابات دیے ہیں، جن کا ما حاصل یہ ہے:

۱۔ ثابت شدہ احادیث 'لَا صَلٰوۃَ لِمَن لَم یَقرَأ بِاُمِّ القُرآنِ۔ اِذَا کُنتُم خَلفِی، فَلَا تَقرَؤُوا اِلَّا بِاُمِّ القُرآنِ'' اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کے قول پر مقدم ہیں۔

۲۔ زید کا قول ''ما بعد الفاتحہ' جہری نمازوں میں قرأت پر محمول ہوگا۔ یہ تاویل ضروری ہے، تاکہ قول ہذا کی صحیح احادیث سے موافقت ہوسکے۔ جن میں فاتحہ کے علاوہ سورت کی قرأت سے مقتدی کو منع کیا گیا ہے اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ اس کے جواب میں رقم طراز ہیں:

زید رضی اللہ عنہ کا یہ 'اثر'' 'ما عدا فاتحہ' (فاتحہ کے علاوہ) پر یا ''ترکِ جہر'' پر محمول ہوگا، تاکہ اس میں اور احادیثِ مرفوعہ صحیحہ میں موافقت ہوجائے... اور اگر یہ 'اثر'' (ما عدا فاتحہ) یا ''ترکِ جہر'' پر محمول نہ ہو، تو احادیثِ مرفوعہ صحیحہ اس پر مقدم ہوں گی۔'' تحقیق الکلام، حصہ دوم، ۲۱۴

علامہ موصوف کا یہ مدلل جواب، دراصل امام نووی رحمہ اللہ اور بیہقی کی گفتگو کا ملخص ہے، جس میں ایک عاقل اور صاحبِ بصیرت انسان کے لیے دعوتِ فکر و تحقیق ہے، تاکہ عظمتِ حدیث اور مقامِ سنت پر آنچ نہ آنے پائے۔

حنفی فقہاء کی صراحت:

اس بناء پر ائمہ حنفیہ مثلاً: ابن الہمام اور ملا علی قاری وغیرہ نے صراحت کی ہے، کہ حنفیہ کے ہاں صحابی کا قول قابل حجت واستدلال ہے، بشرطیکہ کوئی مرفوع حدیث اس کے منافی نہ ہو۔ چنانچہ فقیہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

'اِنَّ قَولَ الصَّحَابِيِّ حُجَّۃٌ فَیَجِبُ تَقلِیدُہٗ عِندَنَا، اِذَا لَم یَنفِہٖ شَيْءٌ آخَرُ مِنَ السُّنَّۃِ 'فتح القدیر، ۲۶۴/۳

یعنی صحابی کا قول قابلِ حجت ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے، بشرطیکہ سنت میں کوئی اس کے منافی نہ ہو۔

اور ملا علی قاری فرماتے ہیں :

'قَولُ الصَّحَابِيِّ حُجَّۃٌ عِندَنَا۔ اِذَا لَم یَنفِہٖ شَيْءٌ آخَرُ مِنَ السُّنَّۃِ 'مرقاۃ، ۲۳۴/۲

یعنی صحابی کا قول ہمارے نزدیک قابلِ حجت ہے، بشرطیکہ سنت کے منافی نہ ہو۔

اور مولانا عبد الحی حنفی ''امام الکلام'' میں فرماتے ہیں :

'صَرَّحَہٗ اِبنُ الھُمَامِ، وَغَیرُہٗ اَنَّ قَولَ الصَّحَابِيِّ حُجَّۃٌ، مَالَم یَنفِہٖ شَيْءٌ مِنَ السُّنَّۃِ، وَمِنَ المَعلُومِ اَنَّ الاَحَادِیثَ المَرفُوعَۃَ دَالَّۃٌ عَلٰی اِجَازَۃِ قِرَاءَۃِ الفَاتِحَۃِ خَلفَ الاَئِمَّۃِ، فَکَیفَ یُؤخَذُ بِالآثَارِ وَتُترَکُ السُّنَّۃُ، (انتہی ص، ۱۶۱)'

یعنی ''ابن ہمام وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے، کہ صحابی کا قول حجت ہے، بشرطیکہ سنت سے کوئی شے اس کی نفی نہ کرے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرفوع احادیث اس بات پر دال ہیں، کہ اماموں کی اقتداء میں فاتحہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ آثار کو لے لیا جائے اور سنت کو چھوڑ دیا جائے؟''

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی، کہ سنت کے مقابلہ میں کسی کے قول کی کوئی حیثیت نہیں۔ چاہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی جواب ہے۔ ان تمام آثار کا جو محلِ بحث میں سنت کے معارض پیش کیے جاتے ہیں۔ اس میں جابر رضی اللہ عنہ کا قول بھی شامل ہے۔ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ''التمہید'' اور ''الاستذکار'' میں صراحت کی ہے، کہ جس کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ''ترک قرأتِ خلفِ امام'' ثابت ہے۔ اس سے اس کا خلاف بھی منقول ہے، ما سوائے جابر بن عبدا رضی اللہ عنہ کے۔ لیکن علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ ان سے بھی قرأت خلف الامام ثابت ہے۔ وہ بحوالہ ''ابن ماجہ'' فرماتے ہیں :

'عَن یَزِیدَ الفَقِیہِ، عَن جَابِرِ بنِ عَبدِاللّٰہِ، قَالَ: کُنَّا نَقرَأُ فِي الظُّھرِ، وَالعَصرِ خَلفَ الاِمَامِ فِي الرَّکعَتَینِ الأُولَیَینِ بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ، وَسُورَۃٍ، وَفِي الأُخرَیَینِ بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ۔ 'تحقیق الکلام حصہ اول، ص: ۱۰۱

اِذَا قُرِئَ فَاَنصِتُوا کی تحقیق:

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں لفظ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنصِتُوا (النحل: ۹۸) کی تصحیح اور تضعیف میں ائمہ فن اور نقاد اور حُفّاظِ حدیث کا اختلاف ہے :

امام احمد، امام مسلم، اور حافظ منذری رحمہم اللہ نے اس لفظ کو صحیح قرار دیا ہے، جب کہ اکثر حفاظ، امام بخاری، ابوداؤد، ابو حاتم، یحییٰ بن معین، حاکم، دار قطنی، ابن خزیمہ، محمد بن یحییٰ الذہلی، حافظ ابو علی نیشاپوری، حافظ علی بن عمر اور بیہقی رحمہم اللہ نے اس لفظ کو ضعیف گردانا ہے۔

محدثین کے ہاں یہ مُسَلَّمہ اصول ہے، کہ تعارض کی صورت میں کثرت کو قلت پر غالب قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا اکثریت کا قول قابلِ اعتبار ٹھہرا کہ یہ ٹکڑا ضعیف ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں :

۱۔ یہ لفظ غیر محفوظ اور سلیمان تیمی کا وہم ہے۔

۲۔ سلیمان تیمی نے قتادہ سے سماع کی صراحت نہیں کی۔ جب کہ قتادہ مدلس ہے۔ اس طرح قتادہ نے بھی یونس بن جبیر سے سماع کی صراحت نہیں کی۔ سلیمان تیمی اور قتادہ کا مدلس ہونا 'کتب اَسماء الرجال'' میں معروف ہے اور اگر تفصیل مطلوب ہو، تو اس بات میں ''تحقیق الکلام'' کا مراجعہ بے حد مفید ہے۔ ملاحظہ ہو! (حصہ دوم، ص: ۸۳،تا ۱۰۱) اور بفرضِ محال اگر اس کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے، تو اس کا اطلاق ''سورۃ فاتحہ'' کے علاوہ پر ہوگا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ پر جرح کا جواب:

محمد بن اسحاق پر جرح، تدلیس اور تفرُّد کا جواب بالاختصار ملاحظہ ہو!

علامہ ابن الہمام حنفی فرماتے ہیں:

''بلاشبہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ ثقہ راوی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے جو اس کے بارے میں جرح نقل کی گئی ہے، وہ ثابت نہیں اور اگر ثابت ہو تو اہلِ علم نے اس کو قبول نہیں کیا اور کس طرح قبول ہو، جبکہ شعبہ نے اس کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا ہے۔ کبار ائمہ نے اس سے روایت بیان کی ہے۔بخاری رحمہ اللہ نے ''جُزئُ القراء ۃ'' میں بڑے زور شور سے اس کا ثقہ ہونا ثابت کیا ہے۔ جبکہ ابن حبان نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور محمد بن اسحاق سے صلح کی نیز اس کے پاس تحفہ بھیجا۔ ''فتح القدیر بحوالہ تحقیق، ص: ۵۷

اور علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: '' بیہقی نے ذکر کیا ہے، کہ محمد بن اسحاق نے اپنے شیخ سے یہ حدیث سُنی ہے، اور یہ حدیث متصل صحیح ہے۔ یعنی اس میں تدلیس وغیرہ کا کوئی شبہ نہیں۔ ''نصب الرایہ، ص: ۲۳۱

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''القول المسدد'' میں فرماتے ہیں: ''ابن جوزی نے محمد بن اسحاق پر جو حملہ کیا ہے وہ فضول ہے، کیونکہ ائمہ نے اس کی حدیث کو قبول کیا ہے۔ وہ سچا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں تدلیس کا عیب ہے۔ جبکہ فاتحہ کی حدیث میں وہ بھی نہیں۔ کیونکہ مکحول سے ان کا سماع ثابت ہے۔ پھر محمد بن اسحاق اس روایت کے بیان میں متفرد بھی نہیں۔'' چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'وَتَابَعَہٗ زَیدُ بنُ وَاقِدٍ، وغَیرُہٗ، عَن مَکحُولٍ' التلخیص: ۸۷

یعنی اس حدیث کو بیان کرنے میں محمد بن اسحاق متفرد نہیں۔ زید بن واقد وغیرہ نے عن مکحول اس کی متابعت کی ہے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو! ''تحقیق الکلام'' حصہ اول (ص: ۵۷تا ۶۲) اور ''اہلحدیث کے امتیازی مسائل'' (شیخنا محدث روپڑی رحمہ اللہ، ص: ۶۳)

''فَانتَہَی النَّاسُ عَنِ القِرَائَۃ'' کا مطلب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کا جواب یہ ہے، کہ اس میں جملہ ''فَانتَہَی النَّاسُ عَنِ القِرَائَۃ'' یعنی لوگ قرأت کرنے سے باز آگئے۔ یہ زُہری (راوی حدیث) کا ''مُدرَج'' کلام ہے۔ رسول ا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'فَانتَہَی النَّاسُ إِلَی آخِرِہٖ مُدرَجٌ فِی الخَبَرِ مِن کَلَامِ الزُّہرِیِّ، بَیَّنَہُ الخَطِیبُ۔ وَاتَّفَقَ عَلَیہِ البُخَارِیُّ فِی التَّارِیخِ، وَأَبُودَاؤدَ، وَیَعقُوبُ بنُ سُفیَانَ، وَالذُّہلِیُّ، وَالخَطَّابِیُّ، وَغَیرُہُم' تلخیص، ص: ۸۷

اور پھر راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بذاتِ خود امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ حنفیہ کا مُسَلَّمہ اصول ہے، کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف کرے، تو راوی کے عمل کو لیا جاتا ہے، اور روایت کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی طرح کی صورت حال کچھ وَإِذَا قُرِئَ فَأَنصِتُوا (النحل: ۹۸) میں بھی ہے۔ کیونکہ یہ جملہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

بھی مروی ہے، لیکن راوی (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کا عمل اس کے خلاف ہے۔ لہٰذا حنفیہ کو اپنے اصول کی بناء پر ''فاتحہ خلف الامام'' کا قائل ہونا چاہیے۔'' (والتوفیق بیدا)

مُقتدی کے لیے ''فاتحہ'' بالخصوص وقفات میں پڑھنے کا کوئی تقیُّد (قید) نہیں۔ تاہم مقتدی کے لیے ضروری ہے، کہ جیسے بھی ممکن ہو، سِرّی اور جہری نمازوں میں فاتحہ پڑھے۔ اس بارے میں حضرت مکحول کا تفصیلی فتویٰ ''سنن اَبی داوَد'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ''عون المعبود'' (۳۰۵/۱) اور اگر فاتحہ پڑھتے ہوئے کسی کی کوئی آیت رہ جائے، پھر بھی امام کے ساتھ 'آمین' کہہ کر بقیہ مکمل کرلے، تاکہ موافقت سے محروم نہ رہے۔ (وا اَعلم)

هذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ حافظ ثناء اللہ مدنی

کتاب الصلوٰۃ : صفحہ :410

محدث فتویٰ